جانوروں اور پرندوں سے محبت کیجئے!

جس معاشرے میں انسانوں کے حقوق تک محفوظ نہ ہوں وہاں جانوروں اور پرندوں کے حقوق کی بات کرنا عجیب سی بات ہے۔ مگر اس اہم موضوع پر بات ہونی چاہیے۔ رائے عامہ کو متحرک اور ہموار کرنا چاہیے تاکہ قدرت کے ان عظیم تحفوں کی حفاظت ہو سکے۔ لوگ، ان کا خیال رکھیں۔ ایک اور مخلوق بھی ہماری توجہ کی محتاج ہے اور وہ ہیں کیڑے۔ شائد آپ مسکرانا شروع کر دیں۔ مگر آپ کی خدمت میں سائنسی تحقیق پیش کر دیتا ہوں۔ سائنس کہتی ہے کہ اگر کرہ ارض پر موجود تمام کیڑے مکوڑوں کو ختم کر دیا جائے، تو نسل انسانی صرف چند برسوں میں ختم ہو جائیگی۔ یہ بہت سنجیدہ بات ہے۔ میں کچھ عرصہ پہلے امریکہ کے شہر آسٹن میں ایک درمیانے درجے کے ہوٹل میں مقیم تھا۔ تین چار دن رہا۔ صبح ناشتے کے وقت وہاں پر پانچ چھ لوگ ہوتے تھے۔ ان میں ایک انتہائی مہذب نظر آنے والا آدمی ہمیشہ ننگے پیر آتا تھا۔ ایک صبح ناشتہ کرنے کیلئے ذرا جلدی گیا تو وہ بھی بیٹھا ہوا تھا۔ بات چیت شروع ہوئی۔ بتانے لگا کہ وہ Entomologist یعنی کیڑوں کا ماہر ہے۔ امریکی ہے مگر آسٹریلیا منتقل ہو چکا ہے۔ ننگے پیر رہنے کی وجہ پوچھی تو جواب کافی دلچسپ تھا۔ بتانے لگا کہ اکثر مقامات پر جوتے نہیں پہنتا۔ کوئی بڑی کانفرنس ہو یا کوئی بین لاقوامی سطح کی میٹنگ ہو تو وہاں جوتے ضرور پہن لیتا ہوں۔ کہنے لگا کہ وپ آسٹریلیا کی ایک نامور یونیورسٹی میں پڑھاتا ہے اور طالبعلموں کو یہ بات سمجھاتا ہوں کہ کیڑوں کی حفاظت کرو۔ اپنے بوٹ سے ان کو مت کچلو۔ اس کا عملی ثبوت اس طرح دیا کہ خود بوٹ پہننے چھوڑ دیے۔ بہر حال، یہ حیرت انگیز بات تھی اور پروفیسر اس پر من و عن عمل کر رہا تھا۔ کافی دیر سوچتا رہا کہ یہ کیسا شخص ہے۔ کیڑوں کے متعلق بھی فکر مند ہے۔ مگر ہمارے ملک میں ایسی بات سوچنا، سمجھنا یا اس پر عمل کرنا محض ایک خواب ہے۔ یہاں تو انسان ایک دوسرے کے شر سے محفوظ نہیں۔ بھلا، پرندے، جانور اور کیڑوں کے حقوق کے متعلق کیا بات کی جائے۔

بیس برس پہلے، سال میں تین چار بار شکار ضرور کھیلتا تھا۔ تیتر، سیسی اور مرغابی کے شکار پر بڑے اہتمام سے جاتا تھا۔ مگر آہستہ آہستہ جب طبیعت پر سنجیدگی وارد ہوئی تو یہ معمول ترک کر ڈالا۔ اپنی قیمتی بندوق بھی کسی کو مفت دے ڈالی۔ صرف اسلئے کہ پرندوں اور جانوروں کے پاس تو کوئی حفاظتی انتظام نہیں ہوتا۔ مکمل طور پر بے بس ہوتے ہیں۔ پھر قتل عام سے انکی نسل کشی ہوتی ہے۔ چنانچہ فیصلہ کر لیا کہ زندگی میں خدا کی اس کمزور مخلوق کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ آج تک اپنے فیصلے پر قائم ہوں۔ شائد آپ کے لیے یہ بات ہضم کرنا مشکل ہو کہ کئی لوگوں نے ایسے ملازم رکھے ہوئے ہیں جو پیشہ ور شکاری ہیں۔ انہیں جہاں موقع ملتا ہے، یہ پرندوں اور جانوروں کی نسل اُجاڑ ڈالتے ہیں۔ دو سے تین سو تیتر ایک دن میں ہی مار ڈالتے ہیں۔ ایک برس کیلئے گوشت اکٹھا کرنا ان کے داہنے ہاتھ کا کام ہے۔ یہ سب کچھ مالک کیلئے ہوتا ہے۔ اسکے فریزر میں شکار کا گوشت بہتات میں موجود ہوتا ہے۔ بلوچستان میں موسیٰ خیل ایک مکمل طور پر غیر ترقی یافتہ علاقہ ہے۔ وہاں کی آبادی بہت کم ہے۔ اس وجہ سے تیتر بہتات میں ہیں۔ بہت سے لوگوں کو جانتا ہوں۔ جو ہر سال سفارش کرا کر موسیٰ خیل جاتے ہیں اور پرندوں کا دھڑن تختہ کر ڈالتے ہیں۔ کسی روک ٹوک کے بغیر۔ بہر حال، طالبعلم کی نظر میں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ شائد کچھ شکاری میری بات کا بُرا منا جائیں۔ ایک برطانوی شکاری نے کہا تھا کہ پرندے اور جانور کو جان بچانے کا پورا موقع دینا چاہیے۔ اس کا عملی پہلو یہ ہے کہ مہذب شکاری ایک نالی والی بندوق سے شکار کھیلتے تھے، جس میں صرف ایک کارتوس ہو۔ آپ ایک فائر کریں تو دوسرا فائر کرنے کیلئے آپ کو کارتوس دوبارہ ڈالنا پڑے۔ اس دو چار منٹ میں جانور یا پرندہ اپنی جان بچا سکتا ہے۔ شکار کو ایک گیم کے طور پر لیا جاتا تھا۔ مگر اب تو مہلک ترین بندوقیں ہیں، جن سے کوئی چرند پرند کسی صورت میں نہیں بچ سکتا۔

ہمارے معاشرے میں بہت کم دیکھا جاتا ہے کہ لوگ دل سے پرندوں اور جانوروں کا خیال رکھیں۔ انگریز نے انکی حفاظت کا قانون بنا کر ہمارے حوالے کیا تھا۔ مگر اس پر کسی صورت پر عمل نہیں ہوتا۔ شہروں میں تانگے گھوڑے بہت حد تک کم ہو چکے ہیں۔ مگر اب بھی جہاں استعمال ہوتے ہیں، وہاں تانگوں میں جتے ہوئے گھوڑوں کی حالت اَبتر ہوتی ہے۔ ان کی کمر پر زخم ہوتے ہیں۔ چابک مار مار کر انہیں مسافر ڈھونے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ چارے کا خیال بھی نہیں رکھا جاتا۔ نتیجہ یہ کہ گھوڑے بے حد نحیف ہو جاتے ہیں۔ اسکے بعد جب کسی کام کے نہیں رہتے تو انہیں ذبح کر کے بڑے آرام سے گوشت فروخت کر دیا جاتا ہے۔ انسانی استعمال کیلئے۔ ہم سفاک اور بے رحم ہو چکے ہیں کہ خیال ہی نہیں کرتے کہ جانوروں اور پرندوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ وہ بھی درد ہونے پر چلاتے ہیں۔ لوگ انہیں اذیت پہنچا کر قہقہے لگاتے ہیں۔ ریچھ اور کتوں کی لڑائی اس ظلم کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ ہمارے ظلم سے حیوان بھی پناہ مانگتے ہیں۔ چند دہائیاں پہلے تک ہر میونسپل کمیٹی کے فرائض میں شامل تھا کہ زخمی، بیمار اور لاپتہ جانوروں کیلئے سرکاری باڑے بنائیں۔ انکو "کانجی ہاؤس" کہا جاتا تھا۔ ان جگہوں پر باقاعدہ جانوروں کا خیال رکھا جاتا تھا۔ دوائیاں دی جاتی تھیں۔ نامعلوم جانوروں کی حفاظت کی جاتی تھی۔ جب کوئی شخص اپنا گھوڑا، گائے، بھینس یا کوئی اور جانور واپس لینے آتا تھا، تو اسکی باز پرس ہوتی تھی کہ لاپرواہی کیوں برتی۔ شناخت کے بعد مویشی واپس کیے جاتے تھے۔ جانوروں کی دوائیوں سے ذہن میں آیا کہ انکو دی جانے والی نوے فیصد دوائیاں جعلی ہیں۔ کچھ ایسی کمپنیوں کے متعلق علم رکھتا ہوں جو جعلی دوائیاں بناتی ہیں۔ ایسی ہی کمپنی کے مالک سے پوچھا کہ انسانوں کیلئے دوائیاں کیوں نہیں بناتے۔ جواب حد درجہ ظالمانہ تھا۔ اس لیے کہ جانور شکایت نہیں کر سکتے۔ کوئی بھی انکے تحفظ کیلئے آواز نہیں اُٹھاتا۔ ذاتی مشاہدے میں ہے کہ سات مور پال رکھے تھے۔ بذات خود انکی دیکھ بھال کرتا تھا۔ ایک مور بیمار ہوا تو جانوروں کے سرکاری ہسپتال لیکر گیا۔ دوائی دی گئی۔ مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ دیکھتے دیکھتے چار مور مر گئے۔ وجہ صرف ایک کہ جس بیماری میں مبتلا تھے، اسکی دوائی جعلی تھی۔ سرکاری شعبہ کا ذکر کرنا عبث ہے۔ بڑے شہروں میں بھی جانوروں اور پرندوں کیلئے جدید شفاخانے موجود نہیں ہیں۔ دیہاتوں میں تو خیر ان ڈاکٹروں کا نام و نشان نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے جانوروں کیلئے پرائیویٹ ڈاکٹر کے پاس جانے پر مجبور ہے۔ وہاں بھی کیا ہوتا ہے، اسکا ذکر چھوڑ دیجئے۔ دراصل انسانی قدریں کمزور ہیں، ذہانت کمترین درجہ کی ہے، اس لیے ہمیں دل سے یقین ہی نہیں ہے کہ جانور بھی تکلیف میں روتے ہیں۔ چیخیں مارتے ہیں۔ آواز دیتے ہیں کہ کوئی آئے اور ان کی مدد کرے۔ مگر یہاں کس نے ان کی فریاد سننی ہے۔

اس ساری صورتحال کے برعکس مغرب میں جانوروں اور پرندوں کا بے حد خیال رکھا جاتا ہے۔ ان کی حفاظت اور پرورش کیلئے عام شہری اور حکومت جان لڑا دیتے ہیں۔ ایک ڈاکومینٹری میں دیکھا کہ ایک بطخ سڑک پر واقع گٹر کے ساتھ کھڑے ہو کر زور زور سے چلا رہی تھی۔ ایک پولیس موبائل آئی۔ اس نے بطخ کی آواز سنی۔ گٹر سے دور لیجانے کی کوشش کی۔ مگر بطخ دوبارہ اس مقام پر آکر آہ و زاری کرنا شروع کر دیتی تھی۔ سڑک پر ٹریفک روک دی گئی۔ پولیس والوں نے گٹر میں جھانک کر دیکھا، انہیں لگا کہ بطخ کے چند بچے اس میں گر گئے ہیں۔ اسکے بعد جو ہوا، وہ ہم لوگ صرف تصور کر سکتے ہیں۔ ٹی وی پر اس واقعہ کی لائیو کوریج شروع ہو گئی۔ لوگوں نے بطخ کے بچوں کو محفوظ طریقے سے باہر نکالنے کیلئے دعائیں مانگنا شروع کر دیں۔ غوطہ خور منگوائے کیونکہ گٹر گہرا تھا۔ جب غوطہ خور نیچے پہنچے تو معلوم ہوا کہ بچے موجود نہیں ہیں۔ پانی کے بہاؤ سے آگے جا چکے ہیں۔ سمجھئے، کہ قیامت آگئی۔ مزید غوطہ خور منگوائے گئے۔ درجنوں شہریوں نے رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کر دیں۔ ایک گھنٹے کی شدید محنت کے بعد غوطہ خور اس مقام پر پہنچ گئے جہاں بطخ کے چھ چھوٹے چھوٹے بچے سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔ انہیں حفاظت سے باہر نکال لیا گیا۔ بطخ نے اپنے بچوں کو زندہ دیکھ کر جس خوشی کا اظہار کیا، وہ ناقابل بیان ہے۔ پورا شہر بچوں کی کامیاب بازیابی پر جھومنے لگا۔ اسکے بعد پورے خاندان کو جھیل کے کنارے چھوڑ دیا گیا، تاکہ کسی دوسرے حادثے کا شکار نہ ہو جائیں۔ ہاں، ایک اور بات، تمام گٹر اس نئی طرز پر بنا دیے گئے کہ پرندے ان میں گر نہ پائیں۔ ہمارے ملک میں ایسے رحمدلانہ اور تہذیب یافتہ رویے کی توقع کرنا صرف اور صرف دیوانگی ہے۔

مگر ایک مقام پر اُمید کی ہلکی سی کرن نظر آتی ہے۔ باغ جناح کی سیر کے دوران کم از کم تین جگہیں ایسی ہیں، جہاں لوگ پرندوں کو بے حساب دانہ ڈالتے ہیں۔ کسی دن بھی ناغہ نہیں ہوتا۔ وہاں اَن گنت کبوتر، چڑیاں، بلبلیں، کوے اور طوطے دانہ چگنے میں ہمہ تن مصروف ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ عید کے دن بھی اس روٹین میں ناغہ نہیں ہوتا۔ یہ کون لوگ ہیں۔ یہ کب باغ جناح آکر پرندوں کی خاموش خدمت کرتے ہیں، کوئی پتہ نہیں۔ مگر اس نیکی کو دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ معاشرہ ابھی زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ محبت کے یہ آثار بہت خوشگوار ہیں، حبس کے ماحول میں تازہ ہوا کا جھونکا!